© rasailojaraid.com

پاکستان: توہینِ رسالت اور قرآن کی بے حرمتی کے واقعات

[توہینِ رسالت اور قرآن کی بے حرمتی کے مبیّنہ واقعات ایسے نہیں کہ جنھیں نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ معاشرے کے امن و سکون کو غارت کرنے کی بالفعل قوت رکھتے ہیں۔ ہفت روزہ "ختم نبوت" (کراچی) کے مندرجہ ذیل اداریتی شذرے سے مسلم علماء کا نقطۂ نظر سامنے آتا ہے۔ مدیر]

اخبار میں چھوٹی سی خبر لگی ہے کہ

کبیر والا (نامہ نگار) نواں شہر غربی کی ایک غیر مسلم عورت نسرین عرف گڈو کے خلاف قرآن کی بے حرمتی کے الزام میں مقدّمہ درج کر لیا گیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ اس نے بجلی کے کھمبوں اور مختلف مقامات پر مقدّس اوراق کے ڈبوں سے قرآنی اوراق اور قرآن پاک کے نسخے نکالے اور انہیں نالی میں پھینک دیا۔ اُسے موقع پر پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ (روز نامہ پاکستان، لاہور، ۲۴ اگست ۱۹۹۶ء)

اس سے قبل بھی کچھ بھنگی لڑکوں نے توہینِ رسالت ﷺ کا ارتکاب کیا تھا جن کو ہیرو بنا کر وزیر اعظم صاحبہ نے جرمنی بھجوا دیا تھا۔ اس کے بعد سکھر کی عیسائی لڑکی نے یہ جرم کیا، لیکن اُس نے توبہ کر لی اور رحمت خداوندی نے اُسے اسلام کی آغوش میں پناہ دے دی۔ اب یہ واقعہ رونما ہوا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی سازش کے تحت اس سے یہ کام کروایا گیا ہے۔ علاقے کے بااثر دینی زعماء کو اس طرف توجہ دینی چاہیے اور اس عورت کو اس کام کی برائی بتا کر اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ لینے کی تلقین کرنی چاہیے اور اگر وہ سازشی کردار کی حامل ہے تو علاقے کے بااثر مسلمان مقتدر حضرات کی مدد سے اسے کیفرِ کردار تک پہنچا کر دوسرے غیر مسلموں کے لیے درسِ عبرت بنا دیں۔ یہ کام بڑی فراست کا متقضی ہے، ورنہ عاصمہ جہانگیر وزیر اعظم کے ذریعہ اس ناہنجار کو ہیروین کا مقام دلانے کی کوشش بھی کر سکتی ہے۔

ایک خبر کے مطابق خانپور میں ایک عورت نے قرآن کریم کو جلا دیا۔ اس نے کسی جعلی عامل کے چکر میں آکر یہ جرم کیا تھا۔ آئندہ ایسے سنگین جرم کے سدِّ باب کے لیے اصل مجرم کے ساتھ ایسے عامل کو بھی قرار واقعی تعزیر ضروری ہے جس نے ایسی حرکت پر انگیخت کیا۔ بعض خبروں کے مطابق جوتوں کے ڈبوں پر ایسے مطبوعہ کاغذ لگائے گئے ہیں جن پر اللہ، محمد اور آیات وغیرہ لکھی ہوئی ہیں۔ ممکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے یہ جرم نادانستگی میں سرزد ہوا ہو لیکن ہے تو جرم توہینِ رسالت۔ ڈبے بنانے اور بنوانے والے مسلمانوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ خلوصِ دل سے توبہ کریں اور آئندہ کے لیے اس بات کی احتیاط کریں اور مطبوعہ کاغذات استعمال کرنے سے مکمل پرہیز کریں، تاہم مسلمان تاجروں اور حکام کو اس اخباری اطلاع کی تحقیق کر کے قانونی کارروائی ضرور کرنی چاہیے، تاکہ آئندہ کے لیے ایسے واقعات کا سدِّباب ہو سکے۔" (ہفت روزہ "ختم نبوۃ"، کراچی، ۲۰-۲۶ ستمبر ۱۹۹۶ء)

پنجاب میں قومیائے گئے اسکولوں کی نج کاری

ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے ۱۹۷۲ء میں رضا کارانہ تنظیموں کے زیرِ اہتمام چلنے والے تعلیمی ادارے قومی تحویل میں لے لیے تھے۔ اس وقت بتایا گیا تھا کہ یہ تعلیمی ادارے محکمۂ تعلیم کے مقررہ اصولوں اور ضوابط کی پروا کیے بغیر کام کر رہے تھے۔ مسیحی مبشرین نوآبادیاتی دور سے تعلیم کے میدان نمایاں تھے اور قیامِ پاکستان کے بعد پاکستانی مسیحی ادارے اس روایت کو قائم رکھے ہوئے تھے۔ بعض مسیحی ادارے تو پاکستان کے اعلیٰ طبقوں کے بچوں کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئے تھے۔

قومیائے گئے تعلیمی اداروں کے حوالے سے سابق منتظمین اور صوبائی حکومتوں کے درمیان کشمکش مسلسل جاری رہی اور معاملات عدالتوں میں گئے۔ صوبائی حکومتوں نے نہ صرف ایک دوسرے سے مختلف پالیسیاں اختیار کیں، بلکہ ایک ہی صوبائی حکومت نے مختلف مواقع پر مختلف طرزِ عمل کا اظہار کیا۔ بہرحال اس سے قطع نظر کہ نجی شعبے میں کام کرنے والے تعلیمی اداروں کے بارے میں ذوالفقار علی بھٹو حکومت کا فیصلہ غلط تھا یا صحیح، بدلے ہوئے حالات میں رضا کارانہ تنظیموں کو ایک بار پھر اس بات کی اجازت مل گئی، کہ وہ تعلیمی ادارے قائم کر کے قومی خدمت میں حصہ لیں۔ جب نئے ادارے وجود میں آنے لگے تو ۱۹۷۲ء میں قومیائے گئے اداروں کی "نج کاری" کی بات بھی سامنے آنے لگی۔

قومیائے گئے بعض مسیحی تعلیمی اداروں کے ساتھ اتنی بڑی مقدار میں اثاثے موجود ہیں کہ مسیحی تنظیمیں اور بالخصوص ان تنظیموں کے کارپردازوں کے لیے ان اداروں کا انتظام حاصل کر لینا ایک "منافع بخش" سودا ہے، بالخصوص اس لیے کہ اب نجی شعبے میں کام کرنے والے تعلیمی اداروں کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ محکمۂ تعلیم کے طے کردہ نصاب کی تعلیم دیں۔ غیر ملکی جامعات کے ساتھ الحاق کے نام پر کوئی بھی نصابِ تعلیم اختیار کیا جا سکتا ہے اور معاشرے میں ایک ایسا طبقہ پہلے سے موجود ہے جو غیر ملکی تعلیمی اداروں اور جامعات کی ڈگریوں کے لیے بھاری فیسیں ادا کرنے کے لیے تیار

© rasailojaraid.com